قرآنی علم و فہم کا درجہ حکمت قسط ۱۳

مولانا محمد تقی امینی

سماج کی آسمانی مدد و رہنمائی کا سلسلہ اس وقت ختم کر دیا گیا جب کہ طبعی قوتوں اور صلاحیتوں میں خود نگہی و خود اعتمادی کا وہ درجہ نمودار ہو گیا کہ ایک کامل و جامع مدد و رہنمائی کے ذریعہ ان قوتوں اور صلاحیتوں کی ضابطہ بندی کی جا سکے اور پھر خود غور و فکر کر کے اہم معاملات میں کسی نتیجہ و فیصلہ پر پہنچنے میں تردد نہ ہو۔

غالباً اسی درجہ کی طرف قرآن حکیم کی ان آیتوں میں اشارہ ہے۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ الخ [1]

"آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور تمہارے لیے اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے دین اسلام کو پسند کیا۔"

وَتَمَّتْ کَلِمَتُ رَبِّکَ صِدْقًا وَّعَدْلًا لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمٰتِہٖ [2] "آپ کے رب کی سچائی اور انصاف کی باتیں کامل ہو گئیں۔ اس کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں ہے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فضلت علی الانبیاء بست اعطیت جوامع الکلم [3] "میں نبیوں پر چھ چیزوں پر فضیلت دیا گیا ہوں ان میں ایک یہ کہ "جوامع الکلم" مجھے عطا ہوا ہے۔"

---

[1] المائدہ آیت ۳ [2] الانعام، آیت ۱۱۵

[3] مسلم ج ۱ کتاب المساجد و مواضع الصلوٰۃ۔

دوسری روایت میں ہے :

بعثت بجوامع الکلم [1] — میں جوامع الکلم کے ساتھ بھیجا گیا ہوں۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضؓ سے روایت ہے۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علّم فواتح الخیر وجوامعہ [3] — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو امورِ خیر کے فواتح (سرچشمے) اور امورِ خیر کے "جوامع" کی تعلیم دی گئی۔

"جوامع الکلم" سے مراد آسان و مختصر الفاظ میں کثیر معانی پائے جائیں [2] چنانچہ ابن قیمؒ کہتے ہیں :

جوامع الکلم ھی الالفاظ الکلیۃ العامۃ المتناولۃ لافرادھا [4] — جوامع الکلم وہ عام کلّی الفاظ ہیں جو اپنے تمام افراد کو شامل ہوں۔

اس درجہ میں آسمانی مدد و رہنمائی کا جاری رہنا اور اس میں ردّ و بدل کرتے رہنا دونوں سخت مضر تھے کہ ان میں سے خود نگہی و خود اعتمادی کو ٹھیس پہنچتی اور سماجی تعمیر و ترقی کی وہ مخفی صلاحیتیں بروئے کار نہ آتیں جن کے لیے سلسلہ ختم ہونا ضروری تھا۔ چنانچہ کامل و جامع مدد و رہنمائی سے پہلے قوتوں اور صلاحیتوں میں کمی کی طرف اشارہ ان واقعات میں ہے۔

(۱) مصر سے نکلنے کے بعد حضرت موسےٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو فلسطین میں آباد ہونے کا حکم دیا اور ہر طرح اللہ کی مدد کا یقین دلایا۔ لیکن اس کے جواب میں بنی اسرائیل نے کہا۔

یٰمُوسٰی اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ [5] — اے موسیٰؑ ہم اس میں ہرگز داخل نہ ہوں گے جب تک کہ وہ (باشندے) اس میں موجود ہیں۔ آپؑ اور آپؑ کے رب دونوں جا کر ان سے لڑیے ہم یہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔

---

[1] مسلم ج ۱ کتاب المساجد و مواضع الصلوٰۃ [2] نووی شرح مسلم حوالہ بالا۔
[3] مسند احمد بن حنبل ج ۱ ص ۴۶۷ عن عبداللہ بن مسعود [4] اعلام الموقعین ج ۱ تفسیر جوامع الکلم
[5] المائدہ آیت ۲۴۔

اہلِ نظر سے مخفی نہیں ہے کہ اس جواب میں جس طرح زوال زدگی کا اثر موجود ہے اسی طرح خود نگہی و خود اعتمادی میں کمی کا بزبانِ حال اعتراف موجود ہے۔ چنانچہ اسی واقعہ میں ہے کہ حضرت موسےٰ علیہ السلام نے فرمایا۔

یٰقَوْمِ ادْخُلُوْا الخ [۱]

" اے میری قوم اس مقدس سرزمین میں داخل ہو جاؤ جو اللہ نے تمہارے لیے لکھ دی ہے اور پیٹھ پیچھے نہ پھرو ورنہ نامرادوں میں سے ہو کر رہ جاؤ گے تو انہوں نے کہا کہ اس میں تو بڑے زورآور لوگ ہیں۔ ہم اس میں اس وقت تک نہ داخل ہوں گے جب تک وہ وہاں سے نہ نکل جائیں "

(۲) قتل کے ایک خاص واقعہ میں قاتل کا سراغ لگانے کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے گائے ذبح کی اور اس کے خون و گوشت کے پاس جمع ہو کر سر برآوردہ لوگوں کو قسم کھانے کا حکم دیا۔ یہ قسامہ کی ایک شکل تھی۔ اس حکم کی تعمیل میں بنی اسرائیل نے گائے سے متعلق جس قسم کے سوالات کیے تھے، [۲] مثلاً اس کا کیا رنگ ہو۔ اس کی عمر کیا ہو، جوان ہو یا بوڑھی ہو، زمین جوتنے یا سیراب کرنے کا کام لیا گیا ہو یا نہ لیا گیا ہو وغیرہ۔ ان سے جس طرح فسادِ مزاج کا ثبوت ملتا ہے، اسی طرح خودنگہی و خود اعتمادی میں کمی کا بھی ثبوت ملتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے سوال کرتے کرتے یہ بھی کہا تھا۔

اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا وَ	بلاشبہ گائے ہمارے اوپر مشتبہ ہو گئی ہے
اِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ [۳]	اگر اللہ نے چاہا تو ہم راہ یاب ہوں گے۔

بار بار سوالات کرنے اور جواب پانے کے باوجود فیصلہ نہ کر سکنا بجائے خود قوتوں اور صلاحیتوں میں اس کمی پر دلالت کرتا ہے جو کسی نتیجہ تک پہنچنے میں رکاوٹ بنتی ہے۔

کامل و جامع مدد و رہنمائی کے وقت قوتوں اور صلاحیتوں میں خود نگہی و

---

[۱] المائدہ آیت ۲۱۔۲۲ [۲] البقرہ آیت ۶۷ تا ۷۲

[۳] البقرہ آیت ۷۰ –

خود اعتمادی پیدا ہونے کی طرف اشارہ ان واقعات میں ہے۔

(۱) جنگ احد میں زخم کھانے اور نقصان اٹھانے کے باوجود جب دشمنوں سے ڈرانے کی کوشش ہوئی اور دوبارہ حملہ آور ہونے کی خبر پھیلائی گئی تو اس خبر سے ڈرنے کے بجائے اور مضبوطی پیدا ہوئی۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ہے :

اَلَّذِیْنَ قَالَ لَھُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَکُمْ فَاخْشَوْھُمْ فَزَادَھُمْ اِیْمَانًا وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ۔ ۱	جن سے لوگوں نے کہا کہ دشمن نے تمہارے لیے بڑی طاقت اکٹھی کی ہے اس سے ڈرو تو اس بات نے ان کے ایمان میں اور اضافہ کر دیا۔ انہوں نے کہا کہ اللہ ہمیں کافی ہے اور وہی بہترین مددگار ہے"

(۲) اسی جنگِ احد میں جب صورتِ حال دگرگوں ہوگئی اور دشمنوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر پھیلا کر لوگوں کو گمراہ کرنا چاہا تو یہ آیت نازل ہوئی :

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓی اَعْقَابِکُمْ وَمَنْ یَّنْقَلِبْ عَلٰی عَقِبَیْہِ فَلَنْ یَّضُرَّ اللّٰہَ شَیْئًا ۲	محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو ایک رسولؐ ہیں۔ ان سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں تو اگر وہ وفات پا گئے یا قتل کر دیے گئے تو تم پیٹھ پیچھے پھر جاؤ گے۔"

آیت میں یہ تاثر دینے کی کوشش ہے کہ تم لوگ قوتوں اور صلاحیتوں کے ایک ایسے درجہ پر فائز ہو کہ اگر بالفرض اللہ کے رسول نہ بھی رہے تو بھی تم اس کام کو سنبھال لو گے۔ چنانچہ اس کی تائید حضرت ابوبکرؓ کی سب سے پہلی تقریر سے بھی ہوتی ہے جو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد مسجد نبویؐ میں کی تھی جس کے الفاظ یہ ہیں :

اَلَا مَنْ کَانَ یَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ	غور سے سن لو جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پرستش کرتا تھا تو

---

۱ آل عمران آیت ۱۷۳ ۲ آل عمران آیت ۱۴۴

ومن كان يعبد الله فانه حيّ لا يموت۔	ان کا وصال ہوگیا اور جو شخص اللہ کی عبادت کرتا تھا تو بے شک اللہ زندہ ہے۔ اس کے لیے کبھی موت نہیں۔

اس موقع پر حضرت ابوبکرؓ نے مذکورہ آیت وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ کو بھی بطور دلیل پیش کیا تھا اور وہی "تاثر دینے کی کوشش کی تھی جو اوپر مذکور ہو چکا قوتوں اور صلاحیتوں کا مذکورہ درجہ نمودار ہونے کے بعد آسمانی مدد و رہنمائی جاری رہنے کی ضرورت اگرچہ باقی نہ رہی لیکن اس کی جامعیت و کاملیت کو عملاً برقرار رکھنے کے لیے اس کی تعبیر و تشریح اور اخذ و استنباط کا سلسلہ جاری رہنا ضروری قرار پایا۔ تاکہ ہر دور و زمانہ میں اس کا رشتہ نمو پذیر زندگی اور ترقی پذیر سماج سے منقطع نہ ہونے پائے۔

ظاہر ہے کہ ہر دور کی زندگی اور ہر زمانہ کا سماج انھیں قوتوں اور صلاحیتوں سے وجود میں آئے گا جن کی ضابطہ بندی قوتوں اور صلاحیتوں میں مطلوبہ درجہ نمودار ہونے کے بعد کی گئی ہے۔ اس بنا پر زندگی و سماج کی ترقی سے جس قدر نئی جزئیات پیدا ہوں گی ضرورت نئی تعبیر و تشریح اور ان سے اخذ و استنباط کی ہے اگر یہ کام نہ کیا جاتا رہا تو آسمانی مدد و رہنمائی کی جامعیت و کاملیت پر حرف آئے گا۔ پھر وہ ایک دور و زمانہ کے ساتھ محدود ہو کر رہ جائے گی۔ حالانکہ اس کی حفاظت بقاء کا رہتی دنیا تک کے لیے انتظام کیا گیا ہے۔ قرآن حکیم میں ہے:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ [1]	"ہم نے ہی اس کو (قرآن) اتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں"

دوسری جگہ ہے:

لَا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ [2]	باطل کا دخل نہ اس کے آگے سے ہے۔ اور نہ اس کے پیچھے سے۔ یہ حکمت والے اور قابل تعریف کا اتارا ہوا ہے۔

---

[1] الحجر، آیت ۹ ، [2] حٰمٓ السجدہ آیت ۴۲

اس کام کے لیے میکانکی صلاحیتیں ناکافی سمجھی جاتی ہیں کہ ان سے کسی جدید تحقیق، جدید تعبیر اور جدید اسلوب کی نمائندگی کرنے کی توقع بے سود ہے بلکہ اس کے لیے تحقیقی صلاحیتیں درکار ہیں جو نئی تعبیر و تشریح اور اخذ و استنباط کے ذریعہ ماضی اور حال کو ہم آہنگ کرنے کی کوشش کرتی اور بہتر مستقبل کے لیے خطوط کی نشاندہی کرتی ہیں۔

اس کام کے لیے سب سے پہلے مخاطب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے جیسا کہ اس آیت میں ہے:

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ [۱]

اے نبیؐ ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ کتاب اتاری تاکہ آپ لوگوں کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے آپ کو دکھایا۔

ظاہر ہے کہ رؤیت سے مراد یہاں بصری رؤیت نہیں بلکہ قلبی رؤیت ہے۔ جس کی اللہ کی طرف نسبت ہے اور یہ خصوصیت صرف شعورِ نبوت کو حاصل ہے جو تخلیقی صلاحیت سے بھی بڑھ کر ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام وہ لوگ مخاطب ہیں جو اخذ و استنباط کی صلاحیت رکھتے ہیں جیسا کہ ذیل کی آیت میں " لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ " کے ذریعے ایسے تمام لوگوں کو غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ [۲]

ہم نے آپؐ پر الذکر (قرآن) اتارا۔ تاکہ جو چیز لوگوں کی طرف بھیجی گئی ہے، آپؐ ان کے سامنے بیان کردیں تاکہ وہ غور و فکر کریں۔

غور و فکر اخذ و استنباط کی صلاحیت کا ثبوت اس آیت میں ہے جس سے تخلیقی صلاحیت کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے۔

---

[۱] النساء آیت ۱۰۵ [۲] النحل آیت ۴۴

وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ؎

اگر اس کو اللہ کے رسول اور اہل علم تک پہنچا دیتے تو ان میں سے جو استنباط کرنے والے ہیں وہ اس کو سمجھ جاتے۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جن لوگوں کو علمی حیثیت سے مقامِ شہادت پر کھڑا کیا جاتا ہے ان کے لیے تعبیر و تشریح اور اخذ و استنباط کی صلاحیت کے بغیر چارہ نہیں رہتا کہ وہ اس کے بغیر نہ انبیاء کے وارث ہونے کے لائق ہوتے اور نہ مقامِ شہادت کے شرف سے متصف قرار پاتے ہیں۔

قرآن حکیم میں ہے:

لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ؎

تاکہ رسول تم پر گواہ ہو اور تم لوگوں پر گواہ ہو۔

دوسری جگہ ہے:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؎

اسی طرح ہم نے تم کو معتدل امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہو۔

شہادت جس طرح قول و عمل سے ہوتی ہے فہم و ادراک سے بھی ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مقامِ شہادت بجائے خود اس بات کا ثبوت ہے کہ نبوت اگرچہ ختم ہو گئی لیکن کارِ نبوت ہمیشہ باقی رہے گا اور ہر دور و زمانہ میں تعبیر و تشریح اور اخذ و استنباط کی وہ نوع وجود میں آنی ضروری ہوگی کہ اس کے ذریعے نمو پذیر زندگی اور ترقی پذیر سماج کا نہ صرف رشتہ آسمانی مدد و رہنمائی کے ساتھ برقرار رہے بلکہ خود مدد و رہنمائی زندگی و توانائی سے بھرپور نظر آئے۔ اور یہ کام قرآنی علم و حکمت میں درجۂ حکمت پر فائز ہوئے بغیر نہیں انجام پا سکتے (باقی آئندہ)

؎ النساء آیت ۸۳ ؎ الحج آیت ۷۸